جنوبی امریکہ کا دوسرا کامیاب تبلیغی دورہ

از مولانا عبدالحق ودیارتھی

ایک عرصہ سے ڈچ گیانا سے خطوط برابر موصول ہو رہے تھے کہ ایک دفعہ آپ پھر یہاں آئیں۔ بعض بیرونی رکاوٹوں اور بالخصوص گھر میں بیماری کی وجہ سے ارادے ہوتے رہے اور ملتوی ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ گذشتہ سال ۱۹۵۶ء ستمبر کا مہینہ تھا جب میرے دوستوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے فوراً تبلیغی دورہ پر روانہ ہو جانا چاہئے۔ مکتبہ احمدیہ مشورہ تو دے سکتا تھا لیکن اس کے پاس روپیہ نہ تھا جو اتنے دور دراز سفر کے اخراجات برداشت کر سکتا۔ اس مشکل کو بھی میں نے خود ہی حل کیا اور "یوں بھی کبھی ہوتا ہے" کے زیر اثر ۳۸۰۰ روپیہ جو میری پونجی تھی ہوائی سروس کے نذر کر کے منزل مقصود پارامار یبو (Paramaribo، جنوبی امریکہ) کا ٹکٹ خرید لیا اور ۱۵ ستمبر بروز ہفتہ دن کے نو بجے میرے دوستوں نے اپنی دلی تمناؤں آرزوں اور دعاؤں کے ساتھ مجھے لاہور اسٹیشن پر الوداع کہی۔ اتوار کو کراچی پہنچا، اتوار کے دن دفاتر بند ہونے کی وجہ سے کوئی ویزا وغیرہ کا بندوبست نہ ہو سکا اور دوشنبہ کو ۳ بجے جہاز پرواز کرنے والا تھا۔ میرے دوست مرزا ولی احمد بیگ اور شیخ عبدالرؤف صاحب نے بہت سہولت بہم پہنچائی تاہم وقت کی تنگی کی وجہ سے جو کام کراچی میں ہونے چاہیئے تھے نہ ہو سکے۔ بہر حال ۱۷ ستمبر کو ۳ بجے جہاز پر سوار ہونا پڑا۔

پاکستان کو الوداع کہہ کر خیر آباد رہنے کی دعا دی۔ امید و وہم کے ملے جلے احساسات دل میں لے کر ایک مبلغ اپنے سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ لمبا سفر ہے نہیں معلوم وطن اور اعزا سے دور پردیس میں کیا کیا مشکلات اور حوادث اسے پیش آئیں۔ نہ کسی دنیوی مفاد کے لئے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خاطر اس کے کلمے کے اعلاء کیلئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی

تبلیغ کیلئے یہ جان ومال کی بازی لگا رہا ہوں۔ اے اللہ تو ہی حامی و ناصر ہے۔ ملک میں کبھی فصلوں کی کٹائی، نئے اناج کی آمد اور نسلِ انسانی کے آئندہ زندگی اور حصول طاقت و قوت کے دن آتے ہیں مگر یہ خوشی اور حصول مراد کے دن یونہی میسر نہیں آتے۔ جو شخص چلتا ہے وہ منزل پر پہنچتا ہے جو بوتا ہے وہ کاٹتا ہے۔ فصل کے اصلی معنی جدا کرنے، کاٹنے اور فیصلہ کرنے کے ہیں۔ جب کسان کی محنت اور اللہ تعالیٰ کی ذرہ نوازی دونوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ محنت کرنے والوں کو ان کی محنت کا اجر دیا جائے۔ فصل اور اناج کے وہ انبار جو کسان اپنے گھر لاتا ہے جب وہ کندھے پر ہل لے کر اپنے گھر سے چلا تھا اس وقت کہیں نظر نہ آتے تھے مگر ایک اُمید اور صرف امید یا ایمان بالغیب ہی تھا جس نے اس سے یہ محنت کرائی کہ رات اور دن خون اور پسینہ ایک کر دیا۔ جو لوگ بیٹھے رہے اور سوئے رہے ان کے لئے کوئی موسم خوشی کا نہیں بلکہ دوسروں کی خوشی کے دن ان کیلئے حسرت اور افسوس کے دن ہوتے ہیں۔

کچھ ایسے ہی خیالات مبلغ کے دل میں موجزن ہوتے ہیں اور میرے دل میں بھی تھے کہ ہوائی جہاز عین مغرب کے وقت سعودی عرب کے ہوائی اڈہ دہران پر اترا۔ میرے پاس وہاں کا ویزا (اجازت نامہ) نہ تھا۔ کراچی میں جلدی کی وجہ سے یہ حاصل نہ کیا جا سکا تھا۔ اس سے پیشتر کہ مسافر جہاز سے اتریں ایک ناٹا سا عرب ملازم جہاز پر آیا اور سب کا ویزا دیکھنا شروع کیا۔ میرے پاس ویزا نہ ہونے کی وجہ سے اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور کہا آپ جہاز سے باہر نہیں نکل سکتے۔ یہ ایک ایسی دل شکن حرکت تھی جو ناگوار گذری اور میں ایک گھنٹہ بھر تنہا جہاز میں بیٹھا رہا اور رات کا کھانا جو اتر کر ہوٹل میں کھانا تھا، نہ کھا سکا۔ کراچی میں بھی جلدی اور افراتفری کی وجہ سے دن کو کھانا نہ کھایا تھا کہ رات کو بھی کھانا نصیب نہ ہوا۔ دنیا کے کسی ہوائی اڈہ پر یہ سختی نہیں دیکھی گئی۔ ویزا نہ ہو تو آپ ہوائی اڈہ کی حدود سے باہر نہیں

جا سکتے مگر یہ کہ ہوائی اڈہ کے ہوٹل میں بھی نہیں جا سکتے، یہ قاعدہ صرف عرب کے اندر نظر آیا۔ صبح مجھے اٹلی کے دارالخلافہ رومامیں ہوئی، اور جہاز سے اتر کر ناشتہ کیا۔ حالانکہ ویزا اٹلی کا بھی نہیں تھا۔ روما سے پرواز کر کے جہاز سوئزر لینڈ کی پہاڑیوں سے گذرا اور ایک عزیز کی درخواست یاد آئی۔ اور ان کے لئے دعا کی گئی۔ جہاز جینوا اور میونخ میں بھی اترا۔ گرمی گئی اور سردی بڑھنے لگی، کالی کالی رنگتیں رخصت ہوئی اور سفید سفید آنکھوں کے آگے پھرنے لگیں یہاں تک کہ جہاز کراچی کے ساڑھے ۷ بجے شام اور ایمسٹرڈم کے سہ پہر کے تین بجے ہالینڈ کے دارالخلافہ میں جا پہنچا اور سفر کی ایک منزل قریباً ۲۶ گھنٹے میں طے ہو گئی۔

کسٹم سے ایک آدھ گھنٹے میں فارغ ہو گیا۔ باہر شیخ محمد طفیل صاحب کو موجود پایا۔ ۳ سال بعد پھر اس سرزمین پر قدم رکھا۔ شیخ صاحب کی امسٹرڈم میں موجودگی کی وجہ سے جو کچھ دیکھنا نصیب ہوا وہ پہلی مرتبہ دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ ایک تو اپنے گھر سا آرام، بات چیت میں بے تکلفی، کھانے پینے میں بے فکری اور نہ غریب الوطنی کا احساس کچھ زیادہ ہوا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ کئی ایک عورتوں اور مردوں سے ملاقات اور گفتگو کا موقعہ ملا۔ مردوں کے ساتھ عورتوں سے ملاقات اور گفتگو کا جملہ پڑھکر بعض لوگوں کو تعجّب ہوگا، ان ممالک میں حوّا کی بیٹیاں زیادہ آزاد، اور مردوں کے دوش بدوش نہیں بلکہ پیش پیش ہیں۔

۲۶ ستمبر کو ایمسٹرڈم میں لیکچر تھا۔ اس کا موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غیر مذاہب کی کتب میں پیشگوئیاں تھا جس میں ژندی، سنسکرت اور عبرانی وغیرہ عبارات سن کر لوگوں کو تعجّب ہوا کہ یہ دنیا کی اتنی زبانیں جانتا ہے بہت کم سوتا ہے[1]

[1] یہ طفیل صاحب نے اپنی تعارفی تقریر میں کہدیا تھا۔

اوراس عمر میں اس قدر تندرست ہے۔ چنانچہ ایک پروفیسر صاحب کی بیٹی نے، جو بہت ذہین اور سمجھدار تھی، چند ایک سوالات کے بعد یہ بھی پوچھ لیا کہ آپ اتنا کم سوتے ہیں تو زندہ کیسے ہیں؟

طفیل صاحب نے بہت زور دیا کہ آپ یہاں چڑیا گھر اور عجائب گھر بھی دیکھیں، یہ چیزیں اور ان کے متعلق معلومات لیکچروں میں بہت کام آتی ہیں۔ چڑیا گھر میں ایسے ایسے پودے، پھول اور جانور دیکھنے میں آئے جو پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ پھر علمی طریق پر اُن کی ترتیب واقعی سبق آموز تھی۔ عجائب گھر میں ایک ڈچ لڑکی نے مجھے ہندستانی ہندو سمجھ کر نمستے کہااور پھر انگریزی میں گفتگو شروع کر دی۔ بعد میں یہ معلوم کر کے کہ میں مسلمان ہوں وہ اپنے نمستے سے بہت شرمندہ ہوئی مگر اپنے ذوق رقص کی کہانی دیر تک سناتی رہی۔

یورپ کے یہ ممالک نہایت ترقی یافتہ، دولتمند ملک ہیں۔ مکانات نہایت خوبصورت ڈیزائن کے شاندار فرنیچر سے آراستہ ہیں، ضروریات کی ہر چیز ان میں مہیّا اور اس قدر مکمل ہیں کہ سہولت، آرام اور صحت تینوں ان پر صدقہ ہو رہی ہیں۔ تیسری منزل پر بیٹھے بیٹھے گھنٹی بجنے سے نیچے کا دروازہ کھول دو۔ میونسپل کمیٹی کے دفتر میں لفٹ نہایت شاندار تھی۔ ہمارے ہاں رہٹ کی طرح ایک طرف سے لفٹ لوگوں کو ہر منزل پر چڑھاتی اتارتی جاتی تھی تو دوسری طرف اوپر سے نیچے کے طرف لوگوں کو لاتی تھی۔ عورتیں کام کرتے ہوئے شاید تھکتی نہیں۔ دن بھر گھر کا کونہ کونہ، فرش، دیواریں اور دروازے چمکاتی رہتی ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں یہاں زندگی گزرتی نہیں بلکہ رقص کرتی جاتی ہے۔ اس کے بالمقابل ہمارے ملک میں منہ بسورے بیزاری کھڑی نظر آتی ہے۔ یہاں کسی سے ملو، خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے۔ آپکی باتوں میں دلچسپی لیتا ہے۔

یہاں آکر سفر میں یہ گرہ پڑگئی، کراچی سے ڈچ گائنا (سورینام) کے لئے ویزہ اس لئے

نہ لیا کہ ہمارے دوست مرزا ولی احمد بیگ صاحب نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں، جب ہالینڈ کے لئے ویزا کی ضرورت نہیں تو ہالینڈ کی کالونی کے لئے بھی ضرورت نہ ہو گی۔ اگر ہوئی بھی تو ایمسٹرڈم میں آسانی سے ویزا مل جائے گا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ سورینام کیلئے ویزا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ اس میں سورینام تار دیکر اجازت منگوالی گئی۔ قادیانی مبلغ کو چھ ماہ کی کوشش سے بھی ویزہ نہ ملا مگر مجھے تیسرے دن ویزہ مل گیا، لیکن ہوائی جہاز جس میں نشست میرے لئے محفوظ ہو چکی تھی وہ جا چکا تھا اور اب ایک ماہ سے پہلے نشست نہ مل سکتی تھی۔ ناچار لندن، گلاسگو، آئر لینڈ اور شمالی امریکہ کے راستے لمبا سفر اختیار کرنا پڑا اور کرایہ بھی زیادہ دینا پڑا۔ دوسری صورت میں ایک مہینہ اور ایمسٹرڈم میں ٹھہرنا پڑتا تھا۔

۲۹ ستمبر کو دس بجے جہاز نے لندن کی راہ لی اور صرف ایک گھنٹہ میں لندن جا پہنچا۔ یہاں سے جہاز ۲؍اکتوبر کو اڑنے والا تھا، درمیانی وقفہ ووکنگ میں گذارا۔ مکرمی یعقوب خاں صاحب ووکنگ پہنچ چکے تھے۔ اہالیانِ ووکنگ سے دو تین روز خوب باتیں ہوئیں جن میں کچھ خان صاحب کو بہت پسند آئیں اور انہوں نے تاکید کی کہ ان کو اسلامک ریویو کے لئے لکھ دیا جائے۔ چنانچہ ایک مضمون 'قرآن مجید میں نہر سویز کا ذکر' جلدی جلدی لکھ دیا گیا چونکہ عین وقت اور موزوں موقعہ کی بات تھی اس لئے اس مضمون کی قبولیت پاکستان اور ہندوستان کے اخبارات اور رسائل میں ہی نہیں ہوئی بلکہ مسلم ورلڈ کے مسیحی رسالہ نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ انفرادی طور پر بہت سے دوستوں نے اس مضمون کی تعریف کی۔

۲؍ اکتوبر کو لندن کے ہوائی اڈہ سے سوار ہو کر اپنے اگلے سفر پر روانہ ہوا جو طے شدہ سفر سے قریباً دوگنا تھا۔ ہر ہوائی اڈہ پر کوئی نہ کوئی دوست ملتا رہا اور یہ سفر بخیر و خوبی سورینام

پر جا کر ختم ہو گیا اور میں ۵۔اکتوبر کو اپنے انہی پرانے دوستوں سے ملا جو تین سال سے میرے انتظار میں تھے۔ اسی جوش و خروش کے ساتھ انہوں نے زندگی میں دوسری بار میرا استقبال کیا۔ صدہا مرد اور عورتیں سورینام سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر خوش آمدید کہنے کے لئے موجود تھیں اور یہاں سے یہ سارا جلوس کاروں میں سوار ہو کر شہر پہنچا اگرچہ نہایت تنگ وقت میں ان کو میرے پہنچنے کی اطلاع ملی تھی۔ جہاں پہنچ کر انجمن اسلامیہ کے ہال میں جو جھنڈیوں سے آراستہ کیا گیا تھا جلسہ ہوا۔

یہ ہے پاکستان سے ۱۵۰۰۰ میل دور میرے سفر کی داستان جو میں نے اختصار کے ساتھ لکھی ہے تاکہ میں نہ اپنا وقت ضائع کروں اور نہ پڑھنے والوں کو زیادہ زحمت دوں۔ ہوائی جہاز میں، ہوائی اڈوں پر جو کچھ پیش آتا ہے وہ کتنے ہی دلچسپ واقعات کیوں نہ ہوں مگر اس کا فائدہ بہت کم لوگوں کو پہنچ سکتا ہے۔

یہ میرا تبلیغی سفر جس میں میں نے ۳۸۰۰ روپیہ اپنی جیب سے خرچ کیا اور تبلیغ اسلام کی تڑپ رکھنے والوں کیلئے ایک نمونہ پیش کیا، ہاں ان لوگوں کیلئے کہ جن کو جب تبلیغ کی غرض سے باہر جانے کے لئے کہا جاتا ہے تو برسوں شرائط کے طے کرنے، زیادہ سے زیادہ تنخواہ کا مطالبہ کرنے اور تنخواہ کو آنریریم کا نقاب اوڑھانے کے مطالبات میں گذار دیتے ہیں۔ کبھی بال بچوں سمیت ولایت کی سیر و تفریح اور تعلیم مفت مقصود اصلی ہوتا ہے، یا قوم کے روپیہ پر ولایت سے ڈگریاں لانے کا ہم خرما و ہم ثواب۔ مگر قوم پر احسان جتاتے ہیں کہ ہم قربانی کر رہے ہیں۔ کسی شخص کی نیت پر حملہ کرنا میرا مقصد نہیں مگر تبلیغ اسلام کا دعوے کرنے والی قوم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ انگریزی بول لینے سے اسلامیات میں فضیلت حاصل نہیں ہو جاتی اور نہ حدیث و تفسیر میں قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تبلیغ کا دعویٰ کرنے والی قوم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کا مقابلہ ایک ایسی قوم سے ہے جس کے مشنری افریقہ کے صحرا،

برازیل کے جنگلوں، نیوگنی کی دشوار گذار گھاٹیوں، کوڑھیوں کی بستیوں، قطب شمالی کی قوم اسکیمو میں ڈاکٹر کی ڈگریاں لے کر جاتے ہیں اور سال ہا سال تک اپنے گھر اور وطن کا منہ نہیں دیکھتے اور اپنے خیال کے مطابق جسمانی اور روحانی دونوں علاج کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے مشنوں میں سال بھر میں جتنے لوگ مسلمان ہوتے ہیں، اس سے دس گنا زیادہ پاکستان میں عیسائی ہو جاتے ہیں اور وقت بہت قریب ہے کہ پاکستان میں مسلمان گھروں سے میلا اٹھانے والا ایک بھی بھنگی نہ ملے گا۔ سب کے سب مکتی فوج میں بپتسمہ پا کر ڈاکٹر، کلرک نرسیں اور مسین بن جائیں گی۔ مسیحی مشنوں کے سرفروشانہ عزائم اور محنت ومشقت کا مطالعہ کرو اور سوچو کہ اگر کوئی جماعت مسلمانوں میں زندہ ہے تو کیوں نہیں اس میں سے وہ لوگ نکلتے جنہوں نے کافی سے زیادہ روپیہ کما لیا ہے۔ کوٹھیاں اور بنگلے بنا لئے ہیں اور خدا کے فضل سے ہر طرح سے فارغ البال ہیں۔ کیا یہ قوم ہندوؤں سے زیادہ دنیادار ہو گئی ہے؟ ان میں عمر کا آخری حصہ سنیاس لے کر قوم کی خدمت کرتے ہیں جن کے اندر کئی مہاتما ہنسراج پیدا ہو گئے ہیں جو قوم کے لئے مفت اپنی زندگی دے دیتے ہیں۔ چالیس برسوں سے زیادہ کا عرصہ گذرا کہ ووکنگ مشن کھولا گیا۔ جن لوگوں کے دلوں میں واقعی تبلیغ کی تڑپ تھی ان کے ہاتھ پر بیسویں اعلیٰ طبقہ کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے لیکن اس کے بعد سے آج تک کوئی نو مسلم انگریز یا سوسائٹی ایسی پیدا نہ ہوئی کہ تبلیغ کے کام کو اپنے ہاتھ لیتی، جب تک کام کرنے والوں میں للہیّت پیدا نہ ہو گی قوم میں ایثار کا جذبہ پیدا ہونا مشکل ہے۔ قوم کو قربانی کرنے کا وعظ ضرور کیا جاتا ہے مگر خود قربانی کر کے دکھائی نہیں جاتی۔

ڈچ گائنا پہنچتے ہی میں نے قرآن مجید کی صداقت اور اسلام کی خوبیوں پر تقاریر شروع کر دیں۔ پہلے پہلے تو آریہ سماج پنڈت بڑے زور شور سے آتے رہے کیونکہ ہفتہ میں ایک

تقریر غیر مذاہب کے متعلق ایک عام مسلمانوں کے لئے، اور خطبہ جمعہ، جماعت احمدیہ کے خصائص اور امتیازی نشانات پر ہوتا تھا۔ جب ہفتہ واری جلسہ میں سوامی دیانند نے جو تیر آریہ سماجی ترکش میں جمع کئے تھے وہ سب ختم ہو گئے اور انہوں نے اچھی طرح ہماری سنسکرت تعلیم اور ویدک معلومات کا جائزہ لے لیا تو انہوں نے آہستہ آہستہ پسپا ہونا شروع کیا اور انجمن اسلامیہ کے ہال میں آنا چھوڑ دیا تو ہم نے سورینام کے مختلف سینما ہال میں لیکچر شروع کر دیئے جس کا اثر نہ صرف مسلمانوں پر اچھا پڑا بلکہ سناتنی ہندو بھی ہمارے لیکچروں کی تعریف کرنے لگے اور بعض ہندوؤں نے میری تعریف میں نظمیں بھی لکھیں۔ کبھی بھولے سے ہمارے کسی لیکچر میں کوئی آریہ سوال وجواب کے لئے کھڑا ہو جاتا تھا تو وہ بھی رونق محفل ہو جاتا تھا۔ شہر کے علاوہ ارد گرد کی بستیوں، مدرسوں اور مسجدوں میں بھی دور ونزدیک تقاریر کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ہزارہا کی تعداد میں مرد اور عورتیں جلسوں شریک ہونے لگیں۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرصہ دراز سے آئے دن کے آریہ مشنریوں کے حملوں کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں جو احساس کمتری پیدا ہو چکا تھا وہ دور ہو گیا اور صداقت اسلام پر دل مضبوط ہو گئے۔ ہماری مسجد میں پہلے کی نسبت رونق کئی گنا زیادہ ہو گئی تو قرآن مجید کا درس بھی باقاعدہ شروع کر دیا گیا جس میں مسلمانوں نے ذوق وشوق سے حصہ لیا۔

آریوں کا ایک مشنری پاتخبلی

آریوں نے بالآخر اپنی شرمندگی دور کرنے کے لئے دہلی سے ایک نیا مشنری پنڈت طلب کیا جو وید اور سنسکرت زبان کا فاضل تھا۔ اس کی آمد اور استقبال کا بڑا شور وغوغا تھا۔ اس نے بھی آکر سورینام میں لیکچر بازی شروع کی مگر حسب عادت صرف مسلمانوں پر ہی حملے نہ کئے بلکہ سناتنی ہندوؤں اور مسیحیوں کے خلاف بھی دلآزار لیکچر اگلنے لگے۔ اس پنڈت کے جواب

میں بھی مجھے ہی سب کی طرف سے جواب دینے پڑے۔ اس میں مشکل یہ آ پڑی کہ آریہ پنڈت کے اعتراضات کا جواب سناتن دھرمی دوستوں کو بچا کر صرف آریہ کیمپ پر بمب گرانا تھا اور یہ ایسا ہی مشکل کام تھا کہ جیسا ترکوں کا بیماروں اور زخمیوں کے جہاز کو بچا کر (کہ جس کی آڑ جان بوجھ کر اتحادی لیتے تھے) ہسپتال کے جہاز کے اوپر سے اتحادیوں کے جنگی جہاز پر بمب پھینکنا۔ اس مقابلہ میں سناتنی ہندوؤں اور مسیحیوں نے مجھے مبارکباد دی۔ سورینام کے سرکاری ریڈیو اسٹیشن پر سناتن دھرمی ہندو، آریہ اور مسلمان سب کے باری باری لیکچر ہوتے تھے۔ آریہ پنڈت نے اس پر بھی خلافِ قاعدہ دوسروں پر اعتراضات شروع کر دیئے۔ میں نے اسی وقت آدھ گھنٹہ میں اس کی تردید کر دی۔ سرکاری طور پر پنڈت کی تقریر کی مذمت کی گئی اور آئندہ اسے کہا گیا کہ بغیر دکھائے کوئی تقریر نہ کی جائے۔ دوسرے دن عام ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرف سے مجھے مبارکباد دی گئی اور خود آریوں نے اپنے پنڈت کی بیوقوفی کا اقرار کیا۔

ڈچ گورنمنٹ کے سرکاری ریڈیو پر تقاریر

عام پبلک لیکچروں کے علاوہ سرکاری ریڈیو پر بھی اتوار کے روز تقریر کرنے کا موقعہ مجھے دے دیا گیا۔ چونکہ ان تقاریر میں تمام مذاہب کی جستہ جستہ خوبیوں کا مقابلہ اسلام کی تعلیم کے ساتھ کیا جاتا تھا اور اس میں کسی مذہب پر نکتہ چینی نہ ہوتی تھی، اسی لئے نہ صرف ڈچ گائنا میں گھر گھر ہندو مسلمانوں کے ہاں شوق سے سنی جاتی تھی بلکہ برٹش گائنا، ٹرینیڈاڈ اور دوسرے ہمسایہ جزائر میں بھی لوگ گھر بیٹھے ان تقاریر کو سنتے تھے، یہاں تک کہ میرا خطبہ عید جو میں نے سورینام کی اپنی مسجد میں دیا، نہ صرف ایک ہزار مرد عورت نے مسجد میں اسے سنا بلکہ سرکاری طور پر تمام ملک میں براڈ کاسٹ کیا گیا اور اکثر مساجد میں نماز تو مقامی

طور پر ہوئی مگر خطبہ ریڈیو پر ہی سنا دیا گیا۔

ڈچ گائنا میں میری تقاریر ٹیپ پر ریکارڈ کی گئیں

ڈچ گائنا کے مسلمانوں نے میرے شاندار استقبال کی پوری فلم تیار کی جس میں سب سے پہلے وہ جہاز آسمان میں اڑتا دکھایا گیا جس میں میں سوار تھا۔اس کے بعد اڑتے ہوئے جہاز میں یہ پیغام دیا گیا کہ جہاز پر سے سب سے پہلے مولانا صاحب کو اترنے کے لئے درخواست کی جائے۔جب میں جہاز سے اترا تو اسی وقت سے ہر حرکت لوگوں سے ملنے اور سکاؤٹوں کے گارڈ آف آنر پیش کرنے کا نظارہ دکھایا گیا۔ کسٹم والوں نے جیسے منسٹروں اور گورنروں کا سامان بغیر جائزہ لینے کے پاس کیا جاتا ہے اسی طرح میرا سامان فری پاس کر دیا گیا۔

اس کے بعد ایک بڑا بھاری جلوس ۳۰ میل کے فاصلہ سے شہر کی طرف روانہ ہوا۔اس مرتبہ شروع سے میری تمام تقاریر ریکارڈ کرنے کا انتظام کیا گیا۔کچھ دنوں کے بعد جب وہ مشین خراب ہو گئی تو فوراً ہالینڈ سے دوسری مشین کے لئے آرڈر دیا گیا۔میرا ہر ایک خطبہ، ہفتہ واری لیکچر، نکاح کے خطبے اور ریڈیو پر کی ہوئی تقریریں ریکارڈ کرلی گئیں جو ابھی تک وہاں حسب موقعہ سنی جاتی ہیں۔آخر پر جب میں سورینام سے رخصت ہو کر واپس ہالینڈ پہنچا تو سورینام سے پیغام ملا کہ ایک تقریر آپ ایمسٹرڈم سے بھی ریکارڈ کر کے یہاں بھجوائیں۔ ڈچ گائنا کے ۹ ماہ کے قیام میں قریباً ۱۵۰ تقاریر کرنے کا مجھے موقعہ ملا جن میں سے اکثر ریکارڈ کرلی گئیں اور ان میں سے کوئی تقریر دو ڈیڑھ گھنٹہ سے کم کی نہیں تھی۔لوگوں کو تعجب اس بات پر ہوا کہ یہ ہمیشہ نئی تقریر کرتے ہیں اور اپنی کسی تقریر کو دہراتے نہیں۔ تقریر ریکارڈ ہونے میں مشکل یہ پیش آتی ہے کہ اگر خدانخواستہ جلدی میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو وہ غلطی بھی ریکارڈ ہو جاتی ہے۔تقریر کے بعد جب میں اپنے کمرہ میں چلا جاتا تو لوگ اس تقریر کو پھر از سر نو سنتے تھے اور جب میں ریڈیو پر تقریر کرتا تھا تو اپنے گھر میں ریڈیو کے سامنے

مشین لگا کر ریکارڈ کر لیتے تھے۔ خدا نہ کرے کہ یہی ریکارڈ کہیں قیامت میں پیش نہ ہو جائیں۔

جنوبی امریکہ کے ملکوں میں تقاریر سننے کا چسکا

میں بتا چکا ہوں کہ خطبہ جمعہ ہفتہ واری تقاریر، خطبات نکاح اور ریڈیو پر بولنے کے علاوہ ان ملکوں میں یوروپین ممالک سے کئی نئی رسمیں رواج پا گئی ہیں جن میں تقریر کرنا نہایت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً آج فلاں صاحب کی سالگرہ ہے کسی صاحب نے نیا مکان بنوایا ہے کوئی خدانخواستہ فوت ہو گیا ہے تو قبرستان میں دفن میت کے بعد تقریر ووعظ ضروری ہے۔ ان تمام مواقع اور حوادث پر میرا تقریر کرنا نہایت ضروری تھا بلکہ عذر کرنے پر ناراضگی کا خدشہ رہتا تھا اور کبھی کبھی ایسے موقعہ پر فی البدایہہ تقریر کرنا ہوتی تھی۔ نیز ہندوؤں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے مخصوص تیوہاروں کے موقعہ پر لیکچر ضروری تھے۔

ووکنگ مشن کو پچاس پونڈ چندہ

شاہجہان مسجد ووکنگ کی مرمت کے لئے اسلامک ریویو میں ایک دردناک اپیل شائع ہوئی کہ مسجد کی حالت نہایت شکستہ اور خطرناک ہے۔ اگر اس کی بروقت مرمت نہ ہوئی تو زیادہ خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس اپیل کو پڑھ کر ایک تقریر کے بعد لوگوں سے اس کیلئے چندہ کی اپیل کی گئی۔ اگرچہ یہ اپیل پیشتر سے اطلاع دیئے بغیر کی گئی تاہم اسی وقت پچاس پونڈ کے وعدے ہو گئے جو بعد میں وصول کر کے ووکنگ مشن لندن بھیج دے ئے گئے۔

اس کے علاوہ ڈچ ترجمہ قرآن مجید کی ۲۵ جلدیں نیز ووکنگ، ایمسٹرڈم اور لاہور سے کتب منگوا کر تقسیم کی گئیں۔ ایک پورا سیٹ کتابوں کا مکتبہ احمدیہ کی معرفت منگوا کر سورینام کی سرکاری لائبریری میں داخل کر دیا گیا۔

مذہبی تحقیقات کرنے والوں کے لئے ہر روز دس بجے سے بارہ بجے تک وقت مخصوص تھا جس میں لوگ آتے اور اپنے سوالات کے جوابات پاتے تھے۔ان تمام مصروفیتوں کے علاوہ بعض دوست ایسے بھی تھے جنہیں تنہا پڑھنے اور عربی سیکھنے کا شوق تھا۔ ان کے لئے بھی وقت مقرر تھا۔دوست آتے اور فائدہ اٹھاتے تھے۔

سفید قوم ڈچ اور نیگروز (حبشی) کی نو مسلم کلاس

ہفتہ میں دو دن غیر مذاہب کو موقعہ دیا گیا کہ وہ مذہبی تحقیقات کر سکیں۔ یہ کوشش یہاں تک کامیاب ہوئی کہ قیام سورینام میں ۹ کس داخل اسلام ہوئے۔ ۴ نیگروز اور ۵ سفید قوم کے ڈچ۔ان لوگوں کے لئے انگریزی میں صداقت اسلام کے دلائل دیئے جاتے تھے جن کا ترجمہ ڈچ زبان میں ہماری مقامی جماعت کے صدر جمال الدین صاحب یا عبدالرحیم جگو صاحب کرتے تھے۔ یہ جماعت نومسلمین عبدالرحیم جگو صاحب کے سپرد تھی جو قبول اسلام کے بعد ان کو اصولِ اسلام کی تعلیم دیتے تھے اور ان کی خاطر اپنا قیمتی وقت قربان کر کے بہت دور سے انجمن کے ہال میں آتے اور پڑھاتے تھے۔ان میں سے بعض کے نکاح بھی انگریزی میں میں نے پڑھائے۔ان کے اندر اسلام کی تعلیم کا شوق پیدا کیا گیا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس سلسلہ کو جاری رکھے اور بابرکت بنائے اور ان لوگوں کو آئندہ اسلام کے سچے خادم بنائے۔

پیری مریدی کا ڈھونگ رچانے والوں سے مقابلہ

آریوں، عیسائیوں اور ربوی روہیوں کے علاوہ ایک مقابلہ تعویذ گنڈہ کرنے والوں، پیری مریدی کا ڈھونگ رچانے والوں سے بھی تھا۔ایک عرصہ سے ایک دو پیشہ ور مولوی نما پیر سال دو سال کے بعد اس علاقہ میں پہنچتے۔ تعویذ گنڈہ پیری مریدی کا ونج بیوپار کرتے

تھے۔ پانچ روپیہ نذرانہ لے کر مریدی کا پٹہ گلے میں ڈال دیتے۔ **نعوذ باللّٰہ من ھٰذہ الخرافات**۔ مریدوں کو یہ بھی تاکید کرتے کہ رات کو سوتے وقت ہماری صورت کا تصور باندھ کر سو جایا کرو۔ عورتوں کی بیعت مردوں سے الگ تخلیہ میں لیا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کی بعض ناشائستہ حرکات لوگوں میں مشہور ہو گئیں۔ اب اسی فریسی چال کے نئے گدی نشین (بقول شخصے نئے شکاری اور پرانے جال) جو اگرچہ اپنے آپ کو پی ایچ ڈی (Ph.D.) اور نصف درجن ڈگریوں کے حامل مشہور کرتے تھے میری موجودگی میں سورینام آدھمکے اور اپنا پیری مریدی کا بیوپار کرنے لگے۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ میں یہاں موجود ہوں تو پہلو بچا کر لیکچر کرنے لگے۔ ایک دو رٹی ہوئی تقریروں کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ لوگوں نے حیات ووفات مسیح اور مسیح کا باپ تھا یا بے باپ ہی پیدا ہوگئے تھے اس قسم کے سوال کرنے شروع کئے تو آپ نے آئندہ بحث کا دروازہ بند کرنے کے لئے فرمایا مسیح مر گیا ہے، زندہ ہے، اس کا باپ تھا یا نہیں، یہ سب فضول بحثیں ہیں ان میں نہیں پڑنا چاہئے۔ جن لوگوں نے انہیں بلایا تھا وہ اس جواب سے بہت مایوس ہوئے کہ ہم نے ان کو احمدیوں کی تردید کے لئے بلایا تھا اور یہ ان کے ہمنوا ہو گئے۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ میرے چلے جانے کے بعد یہ اپنا پینترا بدل لیں گے اور لوگوں میں پروپیگنڈا کریں گے کہ ہمارے مولویوں سے ڈر کر بھاگ گیا۔ اس لئے میں نے اتمام حجت کرنے کی غرض سے آریہ پنڈت اور سناتنی ودواں اور مولویوں کو ایک چیلنج بھی دیا کہ آؤ ایک ہی پلیٹ فارم پر صداقت مذہب پر تقریر کر لو تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ لوگ جو ایک دوسرے کے خلاف دور دور سے تیر چلاتے ہیں خود کتنے پانی میں ہیں۔ اس پر مولوی

صاحبان نے اپنے گریجوٹ اور پی ایچ ڈی ہونے کا ایک نرالا ثبوت پیش کیا کہ مولوی عبدالحق پہلے ہمارے سامنے آ کر اپنے عقائد سے توبہ کرے تو پھر ہم اس کے ساتھ مل کر تقریر کر سکتے ہیں۔انا للہ وانّا الیہ راجعون- یہ ہے ہمارے علمائے دین کا مبلغ علم اور عقل کہ وہ صداقت اسلام پر تقریر کرنے کے لئے بھی کسی کے توبہ کرنے کی شرط لگاتے ہیں۔ یہ صرف راہِ فرار کے لئے ایک بہانہ تھا۔

ڈچ گائنا میں اہل ربوہ کے سکول

کیا پوچھتے ہیں آپ اس خوشی کا جب ربوہ میں گائنا سے یہ خبر پہنچی ہوگی کہ ہمارے سات سکول سورینام میں کھل گئے ہیں۔ کتنی بڑی کامیابی کا یہ ثبوت ہے لاؤ مرید و چندہ کہ اتنے سکول چلانے کے لئے لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ کرامت خلافتِ حقہ کا بین ثبوت ہے۔اس کی حقیقت صرف یہ ہے کہ مبلغ صاحب مختلف لوگوں کے گھروں پر جا کر دستک دیتے کہ ہم آپ کے بچوں کو قاعدہ اور نماز مفت پڑھائیں گے تو کوئی حقیقت ناشناس ان کو کہہ دیتا کہ بہت اچھا آپ ہمارے برآمدہ میں بیٹھ کر دو بچوں کو پڑھایا کریں۔ تو یہ سکول نمبر 1 کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہو گئی۔ کسی کے مکان پر آئے ملاں جی کو کہا بہت اچھا ہم محلہ کے بچوں کو کہیں گے کہ وہ ہفتہ میں ایک دن آدھ گھنٹہ کے لئے یہاں آ جایا کریں گے ایک مکان کے زیر زمین مرغی خانہ کے پہلو میں۔ یہ عظیم الشان ہائی سکول نمبر 2 کا نام پاتا تھا۔ کبھی کسی دن کچھ لوگوں کو چائے کی دعوت کا لالچ دے کر بلاتے تو ان کا فوٹو لے کر ربوہ بھیج دیتے کہ یہ لوگ سورینام میں بیٹھے بیٹھے ربوہ کے آستانہ خلافت کو بوسہ دے رہے ہیں۔ قادیان اور ربوہ میں یہ حرکات بہت پرانی ہو چکی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ قادیانی عرف ابوالبرکات صاحب لال کنواں دہلی میں رہتے تھے۔

انہوں نے ایک بہت بڑا بورڈ اپنی بیٹھک پر لگا دیا۔ ”اشاعت اسلام کالج کھل گیا۔“ کالج کی افتتاح کے دن دہلی کے رؤسا کو ایک کمرہ میں دعوت دی اور دوسرے کمرہ میں قادیانی جماعت کے چیدہ چیدہ لوگوں کو لا بٹھایا کہ اس مبارک تقریب پر تلاوت قرآن مجید کریں۔ مولوی عمرالدین صاحب مرحوم کو درس دینے پر مقرر کیا۔ ادھر رؤسا کو یہ کہا کہ سب لوگ (یعنی قادیانی) اشاعت اسلام کالج کے طلباء ہیں، ان کے اخراجات کالج برداشت کرے گا۔ پہلے سے ایک اپیل چندہ لکھ رکھی تھی اس پر رؤسا کے دستخط لے لئے کہ ہم نے کالج کا معائنہ کیا طلباء کافی تعداد میں تھے اور پڑھائی باقاعدہ اور اعلیٰ ہو رہی تھی۔ ہوائی کالج کے بانی صاحب نے قادیانی اور رؤسا دہلی دونوں کو خوب الو بنایا اور چندہ کر کے کھا گئے۔

ربوہ مشن کی زلف دراز نے ہمارا بہت سا وقت ضائع کر دیا۔ ان سے کوئی پوچھے کہ آپ لوگ وہاں ہی کیوں مبلغ بھیجتے ہیں کہ جہاں ہماری جماعتیں موجود ہیں اور پھر وہاں جا کر بھی کوئی تبلیغ اسلام نہیں کرتے۔ حضرت امیر مولانا محمد علی مرحوم کو کوسنے، خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کو گالیاں دینے سے ربوہ کا شوریدہ ٹیلا کیا **ذات قرار معین** بن جائے گا۔ ہمارے خیال میں تو ہزارہا برکات خلافت ایک طرف اور قادیان کے مقاماتِ مقدّسہ کا ہاتھ سے نکل جانا دوسری طرف، موجودہ خلافت خالفہ کا ایک ایسا امتیازی نشان ہے جو نہ حضرت مسیح موعود کو میسر آیا اور نہ خلیفہ اول کو ملا۔

نکلنا خُلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

برٹش گائنا کا دورہ

۱۹۵۴ء میں پہلی مرتبہ جب میں جارج ٹاؤن(George Town)کے ہوائی اڈہ پر اترا تو مسلم لیگ اور وہاں کی دوسری جماعتوں کے نمائندوں نے مجھے ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں میں نے وعدہ کیا تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اگر دوبارہ اس طرف آیا تو برٹش گائنا ضرور اتروں گا۔ چنانچہ یہ وعدہ وہاں کے دوستوں کے متعدد بار لکھنے پر مارچ ۱۹۵۷ء میں پورا کیا گیا۔ یہ دورہ اس قدر مصروفیت کا دورہ تھا کہ اسے طوفانی دورہ کا نام دینا ناموزوں نہ ہوگا۔ ۱۵ دنوں تک (ماہ رمضان المبارک سے پہلے) کئی دفعہ مجھے ایک ہی دن میں تین تین تقریریں کرنا پڑیں جسے دیکھ کر لوگ حیران تھے کہ اس ضعیف عمر میں یہ کس طرح ایک ہی دن میں مختلف مقامات پر پہنچ کر تقریریں کرتے ہیں۔ برٹش گیانا میں ڈاکٹر راحت، مسٹر حسین غنی اور اے عزیز صاحب سے مختلف مقامات پر ملاقات ہوئی۔ میں نے اس علاقہ میں اپنی بہت سی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ جگہ جگہ لیکچروں کی بھرمار، صداقتِ اسلام کے اچھوتے استدلال، کسی مذہب پر نکتہ چینی کے بغیر فضیلت اسلام کا اظہار، مختلف مذاہب کی کتب مقدسہ کے مختلف زبانوں میں اقتباسات، لوگوں کے سوالات اور میرے فی البدیہہ جوابات لطائف وظرائف اور حقائق علمیہ کے انبار، لیکچروں کے بعد لوگوں کے خوشی سے دمکتے ہوئے چہرے اور پھر میرے ساتھ تصاویر اتروانے کے تقاضے اور اپنے گھروں میں میرے فوٹو لٹکانے کے جذبات نہ صرف مسلمانوں کے دلوں میں موجزن تھے بلکہ ہندو پنڈت اس میں پیش پیش تھے۔ کتنے معزز خاندان کی ہندو مسلمان لڑکیوں نے میرے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے۔ وہ استقبالیہ ایڈریس جن میں میری

تعریف مبالغہ کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اور وہ ووٹ آف تھینکس (Vote of Thanks) جو خلوص دل سے اخراج تحسین لئے ہوئے تھے، مستقل یادگار کے طور پر میرے نام پر لائبریری کا افتتاح، کتنی باتیں ہیں جن کا شمار دشوار اور استقصا مشکل ہے اور پھر وہاں سے لوگوں نے کس طرح باچشم نم اور دل گریاں مجھے رخصت کیا۔ **ذالك فضل الله یوتیه من یشاء۔**

نکیری ڈچ گائنا میں تبلیغ

نکیری ضلع ڈچ گائنا میں میں پہلی مرتبہ ۱۹۵۴ء میں گیا تھا اور وہاں کئی لیکچر دے آیا تھا۔ ہندو پنڈتوں اور آریوں سے تبادلہ خیالات بھی ہوا۔ سناتن دھرم سبھا کے پریزیڈنٹ جو سنسکرت کے بڑے ودوان تھے ان کے ساتھ ایک محدود مجمع میں ڈیڑھ گھنٹہ سنسکرت زبان اور ویدوں کی تعلیم پر مکالمہ بھی ہوا تھا اور اسی جگہ ایک انگریز بیرسٹر سے ملاقات ہوئی تھی جس نے مجھے دیکھتے ہی کہا میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میں اس شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ جس کی بے نظیر کتاب 'محمد ان ورلڈ سکرپچرز' مجھے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ نکیری والوں نے کئی ایک لیکچر سننے کے بعد تقاضا کیا کہ میں دوبارہ نکیری آؤں اور میں نے ان سے وعدہ کیا کہ شرط صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ جب آپ مجھے یہ خوشخبری سنائیں گے کہ جماعت میں تنظیم ہو گئی ہے اور پہلے سے دوگنے اس کے ممبر ہو گئے ہیں۔ اب لوگوں کا اصرار تھا کہ میں تین ماہ وہاں آ کر قیام کروں لیکن سورینام کی جماعت کو دھمکی دی کہ اگر آپ مولانا صاحب کو نہیں بھیجتے تو ہم آپ سے قطع تعلق کر لیں گے۔ مجبوراً سورینام سے رخصت ہونے سے پہلے نکیری جانا ضروری معلوم ہوا اور ہوائی جہاز سے وہاں پہنچنا آسان معلوم ہوا۔ خوبیٔ قسمت سے جہاز بھی ایسا ملا کہ جس میں میں اکیلا ہی مسافر تھا۔

ایک پائیلٹ ایک مسافر اور چھوٹا سا جہاز جو سورینام سے نکیری دو گھنٹہ میں پہنچ گیا۔ غرض نکیری میں تین دنوں کے اندر تین چار لیکچر ہو گئے، بڑے بڑے حکام ضلع سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے اسلامی طریق نکاح اور شرائط طلاق وغیرہ کے متعلق انٹرویو لیا۔ سچ یہ ہے کہ یہاں کے لوگ مجھ سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئے اس لئے کہ ان کو صرف تین دن میں نے اپنے قیام کے بتائے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کا اثر دوسرے لوگوں پر بہت زیادہ ہے۔ اس جگہ ہمارے دوست محمد یسین صاحب اپنے ایک زندہ دل اور دل کے اندر تبلیغ کا جذبہ رکھتے ہیں۔ آریہ ہو، عیسائی ہو، کوئی مذہبی مشنری آ جائے اس سے بحث مباحثہ کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں: اللہ کرے جذبۂ دین اور زیادہ۔

سورینام کو الوداع اور ٹرینیڈاڈ میں لیکچر

ڈچ گائنا کی جماعت نے بہت کوشش کی کہ میں وہاں کچھ قیام کروں۔ کبھی مردوں کا وفد، کبھی عورتوں کا ڈیپوٹیشن، کبھی ممبران واراکین انجمن اسلامیہ کی درخواست، کبھی کوئی عذر اور کبھی کوئی مزاحمت۔ مگر میں اپنی اہلیہ صاحبہ کی گھر میں وفات اور بچوں کے پے در پے خطوط اور زیادہ سے زیادہ مشکلات پیش آنے کے حالات پڑھ کر لاہور واپس آنے پر مجبور تھا۔ کسی دل جلے نے تنگ آ کر یہ بھی کہہ دیا کہ آپ اپنے بچوں کا بہت فکر کرتے ہیں مگر یہاں جو آپ یتیم چھوڑ رہے ہیں اس کا آپ کو خیال نہیں؟ میں نے کہا میں یہاں ۹ ماہ ٹھہرا ہوں اور اگر ۹ برس بھی ٹھہروں تو آپ یتیم کے یتیم ہی رہیں گے کیونکہ آپ میری وجہ سے دین کی خدمت سے بے فکر ہیں، آپ خود کیوں نہیں کوشش کرتے کہ دشمنان اسلام کا مقابلہ کریں۔ آخر تنگ آ کر انہوں نے کہا کہ بہت اچھا آپ

صرف ۳ ماہ اور ٹھہریں۔ اس طرح سے دو ماہ کے قریب جہاز کا بندوبست کرتے کرتے گذار دیئے اور بڑی رووکد کے بعد ۱۸ جون میری روانگی کے لئے طے ہوئی۔ رخصت کا نظارہ کتنا شاندار مگر اس کے ساتھ ہی اندوہناک بھی تھا۔ سورینام (مراد شہر پاراماریبو Paramaribo ہے۔ ناقل) سے ۳۰ میل دور ہوائی اڈہ پر ہزارہا مرد و عورت کا اجتماع تھا۔ کئی افسردہ، کئی غمگیں اور کوئی جدائی کے صدمہ سے حواس باختہ تھا۔ سب سے ملنا اور ہاتھ ملانا دشوار معلوم ہوا اور ادھر ہوائی جہاز والے وقت کے پابند جلدی جلدی کی دہائی دے رہے تھے۔ بڑی وقت سے سب کے سلام لیتا اور جواب دیتا ہوا جہاز کی سیڑھی پر پہنچا۔ رومال اور ہاتھ اس وقت تک ہلتے رہے کہ جہاز لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور میں اپنے دل میں بعض کی محبت، بعض کے آنسو، بعض کی دعائیں اور بازدید کی تمنائیں لئے ہوئے اپنی نشست پر آ بیٹھا۔ دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ میرے تصّور میں تھا اور میں ہر آن سورینام سے دور اور ٹرینیڈاڈ کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

رستہ میں یہ جہاز جارج ٹاؤن پر اترنا نہیں تھا۔ اسلئے میں نے برٹش گائنا والوں کو اپنی معذوری سے اطلاع دے کر ایک گونہ مایوس کر دیا تھا۔ ہوا کے دوش پر سوار سیدھا ٹرینیڈاڈ کے ہوائی اڈہ پر جا اترا۔ یہاں ٹرینیڈاڈ مسلم لیگ کے اراکین استقبال کے لئے موجود تھے۔ شہر پہنچ کر پہلا سوال یہ ہوا کہ آپ کتنے روز یہاں قیام کریں گے۔ میں نے بتایا ٹھیک ایک ہفتہ کے بعد کے ایل ایم (KLM) کے جہاز میں میری نشست متعین ہو چکی ہے مگر وہاں کے لوگ کب مانتے تھے۔ کم از کم دو ہفتہ پر وہ راضی ہوئے اور مقررہ تاریخ کی نشست منسوخ کرا دی گئی۔ ٹرینیڈاڈ میں سب سے بڑی اور تعلیم یافتہ

جماعت مسلم لیگ ہے جس نے ڈیڑھ دولاکھ روپیہ سے جناح میموریل ہال اور مسجد کی تعمیر کی ہے۔ اس کے علاوہ جزیرہ بھر میں ان کے کئی اسکول اور انجمن کی شاخیں ہیں۔ مولانا امیر علی صاحب جو آجکل مفتی ٹرینیڈاڈ کے عہدہ پر فائز ہیں وہ میرے شاگرد ہیں وہی لیگ کے روح رواں ہیں۔ مسلم لیگ نے وقت کی تنگی کو ملحوظ رکھ کر جزیرہ کے مختلف قصبات میں میرے چھ لیکچروں کا اعلان کیا۔

1. پہلا لیکچر سٹجوان سنیما ہال میں (مقابلہ مذاہب میں اسلام کا مقام)
2. دوسرا لیکچر پیریاسال گورنمنٹ سکول میں (محمدؐ ان ورلڈ سکرپچرز)
3. تیسرا لیکچر سانفرنانڈو، مسلم لیگ سکول میں، Seven Cardinal Virtues (سات اعلیٰ نیکیاں)
4. چوتھا لیکچر مسلم لیگ کے ممبروں کے ساتھ سینٹ جوزف سکول میں احمدیت پر سوال وجواب
5. پانچواں لیکچر کاراپی چیما میں النبوت فی الاسلام (Prophethood in Islam)
6. چھٹا لیکچر مسلم لیگ کے مرکز سینٹ جوزف میں My conception of religion (میرا تصور مذہب)

یہ تمام لیکچر نہایت کامیاب ہوئے، کیا بلحاظ حاضری سامعین اور کیا بلحاظ اثر و قبولیت۔ ان لیکچروں کی جو تعریف ہوئی اور مجھے خراج تحسین پیش کیا گیا اس کا اظہار طویل ہوگا۔ صرف ایک ایڈریس کا مختصر سا ترجمہ درج ذیل ہے جو پریسال قصبہ میں دیا گیا۔

' ہمارے نہایت ہی معزز اور محترم مہمان مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی آف لاہور۔

السلام علیکم!

حضور والا:

ہمارے اس چھوٹے سے ضلع کی بے حد قدر افزائی ہوئی ہے کہ اس جگہ آپ جیسی ممتاز ہستی نے شرف صدور بخشا ہے۔ "نغمہ سرا پرندگی یہ سرزمین" اگرچہ آپ کے وطن سے ہزارہا میل دور ہے تاہم ٹرینیڈاڈ مسلم لیگ نے ہمیں آپ کی تقریر سننے کا موقع دیا ہے۔ یہاں آپ کی تشریف آوری کا یہ پہلا ہی موقعہ نہیں اس سے پیشتر (اوائل ۵۴ء میں) ایک مرتبہ آپ یہاں کے لوگوں سے اپنی سحر بیانی، مسلمہ قابلیت اور دلوں کو فتح کرنے والی تقریر پر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ہم یہاں دوسری قوموں کے ساتھ امن و صلح کے ساتھ رہتے ہیں۔ ٹرینیڈاڈ مسلم لیگ ہماری اس نئی پود کی تعلیم و تربیت میں بے حد کوشاں ہے۔ اور اس کا مذہبی راہنما آپ کا شاگرد الحاج مولوی امیر علی صاحب ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ استاد کی شخصیت اپنے شاگرد پر اثر انداز ہوتی ہے اور شاگرد اپنے استاد کی خوبیوں کو ظاہر کرتا ہے اسلئے ہمارا قابل مولوی آپ ہی کی شخصیت کا آئینہ دار ہے کہ وہ لوگوں کی زندگی بہتر بنانے میں کوشاں ہیں۔

ہمیں اِس بات کے بیان کرنے میں فخر ہے کہ آپ کی علمی قابلیت نہایت وسیع ہے۔ سن رسیدہ ہونے کے باوجود آپ کی ہمت اس قدر بلند ہے کہ آپ نہایت

خوبی کے ساتھ ہمارے اس افضل ترین مذہب کی فضیلت بیان کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ ہمارے اندر آپ کی موجودگی ہمارے لئے نہایت خوشی کا موجب ہے اور ہماری تمنا یہ ہے کہ ہم آپ کو پھر یہاں کئی بار دیکھیں۔ ہم آپ سے استدعا کرتے ہیں کہ آپ اپنے خاندان، اپنے اعزہ اور اپنے ملک و قوم تک ہمارا یہ پیغام پہنچادیں کہ آپ کی نہایت گہری عزت اور احترام ہمارے دلوں میں ہے اور ہم اس امر پر کیسے فخر کرتے ہیں کہ آپ ہمارے درمیان ایسے ہی ہیں جیسے باپ اپنے بچوں میں۔

آخر پر ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بیش بہا برکات آپ پر نازل ہوں اور آپ کی زندگی اعلیٰ نعمتوں سے معمور ہو۔ ہم اس دور دراز خطہ ملک میں رہتے ہوئے اپنے پاکستانی بھائیوں کے ساتھ مل کر دعا کرتے ہیں "پاکستان زندہ باد"۔

اہالیان قصبہ پریسال کی طرف سے میں یہ پیغام آپ کی نذر کرتی ہوں۔ آپ کی صادق: مس ایشر بخش '

ٹرینیڈاڈ میں دو ہفتہ کا قیام اس قدر بابرکت ثابت ہوا کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ بعض باتیں جماعتی مفاد کی ایسی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ دوستوں کی نسبت بعض اوقات دشمن اور اس سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے اس لئے سر دست میں اس رپورٹ کو اسی جگہ ختم کرتا ہوں کیونکہ مضمون کسی قدر طوالت اختیار کر گیا ہے۔ ڈچ گائنا، برٹش گائنا، ٹرینیڈاڈ وغیرہ میں جو کام اللہ تعالیٰ نے مجھ سے لیا اس کی تفصیل مشکل ہے۔ ٹرینیڈاڈ سے آگے چل کر جزیرہ کراساؤ، گلاسگو، لنڈن، ووکنگ، ہالینڈ اور بغداد میں پیش آمدہ حالات، اور تبلیغ ودعوت و ارشاد کی تفصیل ابھی باقی ہے۔

”کبھی فرصت میں سن لینا، بڑی ہے داستاں میری“۔

عبدالحق ودیارتھی

(رسالہ 'روحِ اسلام'، دسمبر 1957، صفحات 73 تا 86)